Open Access

Al-Irfan(*Research Journal of Islamic Studies*)

Published by: *Faculty of Islamic Studies & Shariah*
Minhaj University Lahore

ISSN: *2518-9794 (Print), 2788-4066 (Online)*

Volume 09, Issue 17, January-June 2024,

Email: alirfan@mul.edu.pk

بیت المال کا معاصر تصور اور اس کے ذرائع تمویل و مصارف

The modern concept of Bait-ul_Mal and the analysis of its income and outcome sources

Muhammad Rehan Khan
M.Phil. Scholar Department of Islamic Thought and Culture NUML Islamabad
rehan59111@gmail.com
Dr Noor Wali Shah
Assistant Professor Department of Islamic Thought and Culture NUML Islamabad

ABSTRACT

Islam presents the economic and financial model of an Islamic state. Through that economic model, Islamic states were run by the caliphs. It designed the institution of Bait-ul-Mal that can manage the economy of a state. The economic condition of Pakistan is declining day by day and the current taxation system is considered as directly responsible for that. The economic system of an Islamic system is run and managed by the institution Bait-ul-Mal which supervises and governs all the income and outcome of the state. The prominent sources of its income and outcome are described in fiqh books in detail. It is necessary to review the concept of Bait-ul-Mal in the contemporary world to know how it can be implemented in an Islamic country. In this regard one should know the answers to some questions like; what is the model of the economic system of an Islamic state? What is Baitul-ul-Mal and what are the sources of income of Bait-ul-Mal? The bigger question comes when the application of sources of consumption (Masaarif) is being discussed. To analyze these questions, we found that with some changes the concept of Bait-ul-Mal is applicable in the current scenario of an Islamic country. Also, there is room for specified taxes imposed on rich people to fulfill the needs of poor people.

Keywords:

Islamic Economic System, Islamic State, Bait-ul-Mal, Zakat, Taxes.

https://doi.org/10.58932/MULB0032

تعارف:

اسلامی ریاست ایسی ریاست کہلاتی ہے، جو اسلامی تعلیمات اور اسلامی اصولوں پر قائم ہو۔اسلامی ریاست میں جہاں دیگر ریاستی اصولوں کی وضاحت کی گئی ہے، وہیں ریاست کے مالیاتی اصول اور اس کا مکمل ایک نظام پیش کیا گیا ہے۔یہ ایسا نظام ہے، جو صرف نظریے تک محدود نہیں ہے، بلکہ امت مسلمہ کے دور عروج کے وقت صدیوں تک بطور نظام یہ نافذ العمل رہا ہے۔اس نظام کے نہ صرف آمدنی کے ذرائع مقرر ہیں، بلکہ اس کے مصارف کی بھی تعیین کی گئی ہے۔اس مالیاتی نظام کی اساس ادارہ بیت المال پر ہے۔یہ ادارہ بذاتِ خود ایک ایسا ادارہ ہے ، جس کے ذرائع آمدن مسلمانوں کے اپنے فرائض سے سبکدوشی کا بھی ذریعہ ہیں،اور ریاست کے چلنے والے امور کی امدادی چابی کے طور پر کام کرتے ہیں۔لوگوں کے ان فرائض منصبی میں زکاۃ، عشر، جزیہ، خراج، مالِ غنیمت ودیگر ذرائع شامل ہیں۔ان امور میں کچھ تو جنگ بندی کی وجہ سے مفقود ہو چکے ہیں،اور کچھ بعض تبدیلیوں کے ساتھ قابل عمل ہیں۔

دوسری طرف موجودہ ٹیکس کا نظام ہے، جو کہ عام اور متوسط انسان کا خون چوس کر اس کو غربت کی مزید گہری وادیوں میں دھکیلتا جارہا ہے۔اسی کے پیشِ نظر یہ بات بھی سامنے رہے کہ اسلام بھی ٹیکس کا نظام پیش کرتا ہے، مگر اس ٹیکس کے نظام میں فقیر، مسکین اور غریب آدمی کا خون نہیں چوسا جاتا، بلکہ امیر کی طرف سے غریب کی طرف دولت کا سرکل چلا کرتا ہے۔انہیں سب چیزوں کے پیشِ نظر ذیل میں اسلامی ریاست کے مالیاتی نظام اور اسلامی نظامِ ٹیکس کا دورِ حاضر کو سامنے رکھتے ہوئے تفصیل سے ذکر کیا جاتا ہے۔

اسلامی ریاست میں معاشی انتظام کا ادارہ اور اس کے ذرائع آمدن

اسلامی ریاست اپنے مالیاتی نظام وانصرام کا ایک پورا نظام پیش کرتا ہے۔اس نظام کا بنیادی محور بیت المال ہے۔پھر بیت المال کے ذرائع آمدن اور بیت المال کے ذیلی شعبے موجود ہیں، بیت المال، اس کے ذرائع آمدن، اس کے ذیلی شعبے اور ان کے مصارف پر ہی اسلامی ریاست کا پورا معاشی نظام قائم ہے۔ذیل میں ان کو تفصیل کے ساتھ ذکر کیا جاتا ہے۔

بیت المال کے ذرائع آمد

بیت المال اسلامی ریاست کے مالیاتی اور معاشی نظام کی بنیادی اکائی ہے۔بیت المال اسلامی ریاست کا ایسا مالیاتی ادارہ ہے، جو اسلامی ریاست میں بسنے والے باشندوں کی معاشی، معاشرتی اور سماجی ضروریات کو پورا کرتا ہے۔یہ ادارہ اپنے اندر ایسا بہترین نظام رکھتا ہے، جس میں نہ صرف اس ادارہ کے ذرائع آمدن موجود ہیں، بلکہ یہ ذرائع آمدن ریاست میں بسنے والے شہریوں کے دینی فرائض جیسے زکاۃ وصدقات کی ادائیگی کا بھی ذریعہ ہیں۔اس ادارے کی مستقل ایک تاریخ

ہے،سب سے پہلے بیت المال کا لغوی واصطلاحی مفہوم پیش کیا جاتا ہے، پھر اس کے بعد اس کی تاریخ اور اس کے ذرائع آمدن اور ان ذرائع کے مصارف بیان کئے جائیں گے۔

لغوی اعتبار سے تو بیت المال خاص اس جگہ یا مکان کو کہا جاتا ہے، جس کو مال کی حفاظت کے لئے تیار کیا گیا ہو۔اصطلاحی اعتبار سے بیت المال کا مفہوم اور مطلب مختلف ادوار میں مختلف رہا ہے۔صدرِ اسلام یعنی اسلام کے ابتدائی دور میں بیت المال خاص اس جگہ کو کہا جاتا تھا، جہاں پر دولت اسلامیہ کے عوامی مال میں سے منقولات جیسے فئی اور خمس وغیرہ کو رکھا جاتا تھا۔(1) اس کے بعد بیت المال کے تصور میں ارتقاء آتا گیا یہاں تک کہ بیت المال کو مکان کے بجائے ایک مستقل ادارہ سے تعبیر کیا جانے لگا، جس میں مسلمانوں کے مالِ عام میں سے نقود، سامان، زمینیں وغیرہ بھی اس ادارہ میں شامل ہو گئیں(2)۔اور مالِ عام وہ مال کہلاتا ہے، جو اسلامی ریاست میں مسلمانوں کی اجتماعی ملکیت ہو،اور اس کا کوئی مالک موجود نہ ہو۔چنانچہ علامہ ماوردی فرماتے ہیں:

''وأما القسم الرابع فيما اختص ببيت المال من دخل وخرج، فهو أن كل مال استحقه المسلمون، ولم يتعيّن مالكه منهم فهو من حقوق بيت المال،فإذا قبض صار بالقبض مضافًا

(1)کتاب الخراج میں امام ابو یوسف کی عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کے دور میں غیر منقولہ مال جیسے پراپرٹی وغیرہ بیت االمال کا حصہ نہیں سمجھی جاتی تھی، بلکہ بیت المال منقولہ اشیاء کی حفاظت کی جگہ سے عبارت تھا۔چنانچہ امام ابو یوسف ذمی کی میراث سے متعلق بحث کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

وميراثه لذوي رحمه إذا كان منهم يتوارثون كما يتوارث أهل الإسلام، وإن لم يكن له وارث فميراثه في بيت مال المسلمين الذي يقسم بين المسلمين.(ابویوسف،القاضی،یعقوب بن ابراهیم،الخراج(المكتبة الازهرية للتراث)ص145،144)

ترجمہ:اس(ذمی) کی میراث اگر اس کے رشتہ داروں میں سے کوئی موجود ہو تو اس کی ہو گی،اور وہ اسی طرح تقسیم ہو گی جیسے اہل اسلام کے مابین تقسیم ہوتی ہے۔اور اگر اس کا کوئی وارث موجود نہ ہو، تو اس کی میراث مسلمانوں کے اس بیت المال کا حصہ ہو گی جو کہ مسلمانوں کے مابین تقسیم کی جاتی ہے(ترجمہ ختم)

اس کے برعکس ابن عابدین شامی اور دیگر متاخرین کی عبارات سے صراحت کے ساتھ معلوم ہوتا ہے کہ اراضی وغیرہ بھی بیت المال میں شامل ہیں جیسا کہ ابن عابدین شامی کی درج ذیل عبارت اس پر دال ہے:

لعدممنيجبعليهبسببموتأهلها،وصيرورتهالبيتالمال.----------ثم اعلم: أن أراضي بيت المال المسماة بأراضي المملكة وأراضي الحوز إذا كانت في أيدي زراعها لا تنزع من أيديهم ما داموا يؤدون ما عليها، ولا تورث عنهم إذا ماتوا، ولا يصح بيعهم لها ولكن جرى الرسم في الدولة العثمانية أن من مات عن ابن انتقلت لابنه مجانا، وإلا فلبيت المال(الشامی،ابن عابدين،رد المحتار على الدر المختار(دارالفكر،بيروت 1992)ج4ص180)

(2)الماوردی،ابو الحسن علی بن محمد،الاحكام السلطانية (دارالحديث،القاهرة)ص315-

إلى حقوق بيت المال، سواء أدخل إلى حرزه أو لم يدخل؛ لأنَّ بيت المال عبارة عن الجهة لا عن المكان ''(1)

اور رہی چوتھی قسم تو وہ داخلی اور خارجی اعتبار سے بیت المال کی ہے۔ تو بیت المال وہ مال ہے جس کا استحقاق مسلمانوں کا ہو، اور اس کا مالک عوام میں سے کوئی متعین نہ ہو، ایسے مال کا حقدار بیت المال ہوتا ہے۔ پھر جب ایسے مال پر (حکومت کا) قبضہ ہو جائے، تو اس سے بیت المال کے حقوق وابستہ ہو جاتے ہیں۔ چاہے وہ بیت المال میں رکھا گیا ہو یا نہ رکھا گیا ہو، کیونکہ بیت المال عبارت ہے ادارہ سے نہ کہ کسی خاص جگہ سے۔

بیت المال کی تاریخ کو دیکھا جائے، تو اگرچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دور میں مالِ غنیمت، خمس وغیرہ جمع ہوا کرتا تھا، اور باقاعدہ اس کی تقسیم بھی ہوا کرتی تھی۔ لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دور میں بیت المال مستقل ایک ادارہ کی حیثیت سے قائم نہیں تھا۔ بعض حضرات کے نزدیک حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کے دور میں اور بعض کے نزدیک حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دور میں بیت المال ایک مستقل ادارہ کی حیثیت سے وجود میں آیا۔(2) اس کی وجہ یہ بھی سمجھ میں آتی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دور میں اسلام زیادہ پھیلا نہیں تھا۔ پھر جب حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کے دور کے بعد سے لے کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دور میں اسلام جس قدر وسعت کے ساتھ پھیلنا شروع ہوا، تو اسی کے ساتھ ساتھ ریاست اور اس کی ادارے جیسے فوج، پولیس وغیرہ کو چلانے کے لئے سرکاری خزانہ کی ضرورت تھی۔ اس چیز کو مدِ نظر رکھتے ہوئے باقاعدہ بیت المال ایک ادارہ کی حیثیت سے معرضِ وجود میں آیا۔

1۔ عشر:

شریعت کی طرف سے ایک قسم کی زکاۃ مال پر عائد کی گئی ہے، اور دوسری قسم کی زکاۃ زمین کی کھیتی پر لگائی گئی ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دور میں اور بعد میں خلفائے راشدین کے دور میں بھی عشر ریاست کی طرف سے وصول کیا جاتا تھا، اور بیت المال میں جمع کیا جاتا تھا، جو کہ بیت المال کی آمدنی کا اہم ذریعہ تھا۔

ویسے تو عشر دسویں حصہ کو کہا جاتا ہے، لیکن عشر کی مقدار بعض صورتوں میں پیداوار کا دسواں حصہ ہوتی ہے، اور بعض صورتوں میں پیداوار کا بیسواں حصہ ہوتی ہے۔ یعنی وہ زمینیں جن کو سیراب میں پانی پر محنت اور خرچہ نہیں ہوتا، جیسے بارش، چشمے، اور ایسی نہری زمینیں جن میں پانی دینے میں نہ تو محنت لگتی ہے، اور نہ ہی کھیتی تک پانی پہنچانے میں

(1) الماوردی، ابو الحسن علی بن محمد، الاحکام السلطانیة (دارالحدیث، القاهرة) ص316۔

(2) ابن الأثیر، ابو الحسن الجزری، الکامل فی التاریخ (دار الکتاب العربي، بیروت -لبنان 1997) ج2ص265۔ ابو یوسف، القاضی، کتاب الخراج (المطبعة السلفیة 1382ھ) ص144، 145۔

کوئی خرچہ وغیرہ آتا ہے۔ایسی زمینوں میں کھیتی اور پیداوار کا دسواں حصہ واجب ہوتا ہے۔(1)اور دوسری قسم کی وہ زمینیں ہوتی ہیں جن میں کھیتی تک پانی پہنچانے میں محنت یا خرچہ ہوتا ہے، جیسے کنواں،ڈول،ٹیوب ویل وغیرہ کا پانی، یا وہ نہری پانی جس کا ٹیکس یا خرچہ وغیرہ ادا کرنا پڑتا ہو۔اس طرح کی زمینوں کی پیداوار پر کھیتی کا بیسواں حصہ واجب ہوتا ہے۔(2)

عشر کن چیزوں میں لازم ہوتا ہے،اور عشر کا کیا نصاب ہے؟تو اس سلسلہ میں امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک ہر وہ چیز جو زمین سے اگتی ہو، سوائے جھاڑ جھنکار کے، خواہ وہ تھوڑی ہو یا زیادہ ہو، تو اس پر عشر لازم ہوتا ہے۔اور حضرت مجاہد اور عمر بن عبد العزیز رحمہما اللہ کا بھی یہی قول ہے۔اس کے برعکس صاحبین یعنی امام ابو یوسف اور امام محمد اور جمہور فقہاء یعنی امام شافعی،احمد بن حنبل،اور امام مالک وغیرہ کے نزدیک کھیتی میں عشر لازم ہونے کے لئے پانچ وسق یعنی تقریبا کھیتی کا پچیس من ہونا ضروری ہے۔اس سے کم کھیتی پر عشر لازم نہیں۔(3)

آج کے دور میں عشر کا نصاب

بظاہر صاحبین اور جمہور فقہائے کرام کا قول کہ کھیتی کی کل پیداوار کم از کم پچیس من ہو، دورِ حاضر میں غریب کسانوں کے لئے زیادہ مناسب معلوم ہوتا ہے، کیونکہ دورِ حاضر میں خصوصا پاکستان میں کسانوں کو کھاد وغیرہ مہنگی پڑتی ہے،اور سرمایہ دار طبقہ کی طرف سے انہیں ان کی فصل کی صحیح قیمت بھی نہیں ملتی۔(4)

---

(1) صحیح بخاری میں روایت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس زمین کی آبیاری بارانی یا چشمے کے پانی سے ہو،اس میں دسواں حصہ ہے،اور جس کی آبیاری کلفت یعنی مشقت سے ہو،اس میں بیسواں حصہ ہے۔بخاری،محمد بن اسماعیل،صحیح البخاری الجامع الصحیح(دار طوق النجاۃ،الطبعۃ الاولی)رقم الحدیث 1483

(2)شامی،ابن عابدین،الدر المختار وحاشیۃ ابن عابدین(دارالفکر،بیروت 1412)ج2ص332

(3)شامی،ابن عابدین،الدر المختار وحاشیۃ ابن عابدین(دارالفکر،بیروت 1412)ج2ص49/سمرقندی،علاء الدین،بدائع الصنائع فی ترتیب الشرائع(دارالکتب العلمیۃ،1406ھ)ج2ص30

(4)دلائل کی رو سے بھی جمہور فقہائے کرام کا قول زیادہ مضبوط معلوم ہوتا ہے، کیونکہ احادیث میں واضح طور پر پانچ وسق یعنی پچیس من سے کم میں عشر واجب ہونے کی نفی ہے۔دیکھئے: نیسابوری،مسلم بن الحجاج،صحیح مسلم(داراحیاء التراث العربی،بیروت)رقم الحدیث 979 / بخاری،محمد بن اسماعیل،صحیح البخاری(دار طوق النجاۃ 1422ھ)رقم الحدیث 1484

2۔ خراج:

اسلامی ریاست میں جیسے مسلمانوں سے ان کی زمینوں کی پیداوار پر عشر لیا جاتا ہے، ویسے ہی غیر مسلموں کی زمینوں کی پیداوار پر خراج وصول کیا جاتا ہے۔ یہ بھی اسلامی ریاست میں بیت المال کی آمدنی کا ذریعہ ہے۔

عشر اور خراج کا فرق دراصل زمین کے فرق ہونے کی وجہ سے ہے۔ اسی لئے فقہائے کرام نے اس اعتبار سے زمین کی دو قسمیں بیان کی ہیں۔ ایک قسم کی زمین عشری زمین ہے، جس پر عشر واجب ہوتا ہے، اور دوسری قسم کی زمین خراجی زمین ہے، جس پر خراج واجب ہوتا ہے۔ پس ہر وہ زمین جس کا مالک بخوشی اسلام قبول کرلے، تو اس کی زمین عشری زمین کہلاتی ہے۔(1) اور عرب کی پوری سرزمین کو عشری قرار دیا گیا ہے۔ کیونکہ عرب میں مسلمانوں کو ہی رہنے کی اجازت ہے، لہذا ان سب سرزمینوں پر عشر ہی لازم ہوگا۔ تیسری وہ زمین جس کو مسلمان جنگ کے بعد غلبہ پاکر فتح کرلیں، اور امیر کی طرف سے وہ زمینیں سپاہیوں میں تقسیم ہوجائے، تو ایسی زمینیں بھی عشری کہلاتی ہیں۔ چوتھی وہ زمین جس کو مسلمان ریاست کا امیر کسی کو تحفہ میں دے دے، تو وہ بھی عشری ہی کہلاتی ہے۔(2) اس کے برعکس اس طرح کا علاقہ کہ جس کو مسلمانوں نے فتح کیا ہو، اور اس علاقہ کی زمینوں کو مسلمانوں کا امیر غیر مسلموں کے پاس ہی رہنے دے، تو اس طرح کی زمینیں خراجی کہلاتی ہے۔(3) اسی طرح مسلمانوں کا امیر کسی علاقہ میں بسنے والے غیر مسلموں کو جلاوطن کردے، تو جو زمینیں وہ چھوڑ کر جائیں گے، وہ بھی خراجی ہی کہلائیں گی۔ پھر وہ زمین جو مسلمان کی ملکیت میں ہو، اور اس کو کوئی غیر مسلم خرید لے، تو وہ زمین بھی عشری زمین سے خراجی زمین بن جاتی ہے۔ انہی صورتوں کی بناء پر عشری زمینوں پر عشر اور خراجی زمینوں پر خراج لازم ہوتا ہے۔

عشری زمین میں عشر تو کھیتی کا دسواں یا بیسواں حصہ ہوتا ہے، جیسا کہ پہلے گزرا۔ لیکن خراجی زمینوں میں خراج کھیتی کا پانچواں حصہ ہوتا ہے۔ لیکن اس کی کیفیت کی تعیین حکومتِ وقت کرتی ہے کہ یہ کھیتی کا پانچواں حصہ کھیتی کی شکل میں دیا جائے یا نقدی اور سونے چاندی کی شکل میں دیا جائے۔(4)

---

(1) ابو یوسف، القاضی، کتاب الخراج (المطبعة السلفية 1382ھ) ص69 ۔

(2) شامی، ابن عابدین، الدر المختار وحاشية ابن عابدين (دارالفكر، بيروت 1412) ج3ص229

(3) کاسانی، علاء الدین، بدائع الصنائع فی ترتیب الشرائع (دارالکتب العلمیة، 1406ھ) ج2ص927، 928

(4) زحیلی، دکتور وهبة، الفقه الاسلامی وادلته (دارالفكر، سورية دمشق) ج3ص1904

پاکستان کی موجودہ اراضی کا حکم:

پاکستان اور ہندوستان کی زمینیں عشری ہیں یا خراجی ہیں؟اس کے بارے میں دورِ حاضر کے فقہاء ومفکرین نے یہ اصول بیان کیا ہے کہ ایسی زمینیں جو مسلمانوں کے ملک میں نسل در نسل مسلمانوں مسلمانوں کی ملکیت میں چلی آئی ہوں،اور کسی دور میں ان زمینوں پر کسی غیر مسلم کی ملکیت ثابت نہ ہو،تو وہ سب زمینیں عشری ہی کہلائیں گی۔اس کے علاوہ ایسے زمینیں جن پر کسی وقت میں غیر مسلموں کا مالکانہ قبضہ تھا،پھر ان سے خرید کر یا کسی دوسرے جائز ذریعہ سے وہ مسلمانوں کی ملکیت میں آئی،تو وہ زمینیں خراجی کہلائیں گی۔(1)اس کے ساتھ یہ بھی ملحوظ رہے کہ اہل علم کے مذکورہ اصول کے مطابق پاکستان کی زمینوں پر کسی دور میں غیر مسلم بھی ملکیت کے ساتھ قابض رہیں ہیں،مگر جب پاکستان آزاد ہوا،تو اس وقت جنگ کی صورتِ حال ہی تھی،اور فقہائے کرام کے اصول کے مطابق جنگ کے حالات اور نتیجہ میں امیرِ مسلمان کے پاس جو زمینیں آجائیں،وہ عشری کہلاتی ہیں،لہذا پاکستان کی موجودہ اراضی عشری ہی قرار دی جائیں گی۔

3۔ جزیہ:

جزیہ ان غیر مسلموں پر لگایا جانے والا ٹیکس ہے،جن کو اسلامی ریاست اپنے علاقہ میں جان،مال اور عزت وآبرو کی حفاظت کی ضمانت فراہم کرے،اور اس کے بدلے ان سے مخصوص مقدار میں سالانہ ٹیکس وصول کرے۔دورِ خلافت میں اسلامی ریاست میں سینکڑوں غیر مسلم آباد تھے،جن کی جان مال،عزت اور مذہبی اقدار ریاست میں محفوظ تھیں،اس کے بدلے ان سے سالانہ ٹیکس لیا جاتا تھا،جو کہ بیت المال کی آمدنی کا بھی اہم ذریعہ تھا۔

جزیہ عاقل،بالغ غیر مسلم ان مردوں سے وصول کرنے کا حکم ہے،جو لڑنے کی صلاحیت رکھتے ہوں،جبکہ غیر مسلم عورتوں،بچوں اور مجنون وغیرہ سے جزیہ وصول نہیں کیا جاتا۔(2) جزیہ کی تاریخ مشروعیت میں اگرچہ کچھ اختلاف پایا ہے،تاہم اکثر حضرات کے نزدیک جزیہ سے متعلق قرآنی آیت کے نزول کے بعد ہی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جزیہ کی شرائط کے ساتھ غیر مسلموں سے جزیہ وصول کیا۔دیکھا جائے تو جزیہ کی مختصر تاریخ کچھ اس طرح سامنے آتی ہے کہ آٹھویں ہجری کے اواخر میں جب مکہ فتح ہو چکا تھا،اور لوگ جوق در جوق اسلام میں داخل ہوتے جارہے تھے،اسلام کا بول بالا ہورہا تھا،تب جزیرۂ عرب کو اسلامی جھنڈے تلے قرار ملا،تو اللہ نے ظلم کرنے والے یہود ونصاریٰ سے قتال کا حکم دیا۔جس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے روم کے ساتھ قتال کی تیاریاں شروع کیں،حوالیٔ مدینہ سے دیہاتوں میں منادی کروائی گئی۔اکثر لوگوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی پکار پر لبیک کہا،اور بعض مسلمانوں میں سے اور اکثر منافقین

---

(1) رفیع عثمانی،جواہر الفقہ،ج2،ص262،

(2)مرغینانی،برهان الدين ابو الحسن،الهداية فی شرح بداية المبتدی(دار احياء التراث العربی،بیروت)ج2ص401 كتاب السير

میں سے جہاد سے پیچھے رہ گئے۔اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان غیر مسلموں سے جو لڑنے کے قابل تھے،وقت کے ساتھ ساتھ جزیہ وصول کیا۔(1)

بعض لوگ یہ خیال کرتے ہیں کہ جزیہ میں غیر مسلموں کے ساتھ کوئی امتیازی سلوک پایا جاتا ہے،حالانکہ اس طرح کی بات بالکل بھی نہیں ہے۔اسلامی ریاست میں ریاست کے امور چلانے کے لئے جہاں مسلمانوں سے زکاۃ اور دیگر مالی صدقات وصول کئے جاتے ہیں،ویسے ہی دیکھا جائے تو غیر مسلموں سے زکاۃ وصول نہیں کی جاتی،اس لئے ان سے جزیہ وصول کیا جاتا ہے،تاکہ جس ریاست کے ذرائع وہ استعمال کررہے ہیں،ان کے لئے بھی بیت المال میں مال جمع ہوسکے۔

دورحاضر میں جزیہ کی ترتیب:

دورِ حاضر میں بھی کیا اسلامی ریاست میں جزیہ وصول کیا جائے گا یا نہیں؟تو بعض حضرات جیسے مودودی صاحب وغیرہ کے نزدیک جزیہ کا حکم ان غیر مسلموں کے ساتھ خاص ہوتا ہے،جن کے علاقہ کو یا تو جنگ کے نتیجے میں فتح کیا جائے،یا پھر جنگ کے علاوہ ان کے علاقہ کو صلح کے ذریعہ حاصل کیا جائے،اور پاکستان میں یہ دونوں صورتیں نہیں ہیں،اس لئے پاکستان میں بسنے والے غیر مسلموں سے جزیہ وصول نہیں کیا جائے گا۔(2)

لیکن میرے خیال میں اگر ریاستِ اسلامی کا معاشی نظام مکمل اسلامی تعلیمات کے مطابق ہو،جس میں مسلمانوں سے باقاعدہ زکاۃ وصول کی جاتی ہو،اور بیت المال کا ادارہ بھی اسی طرح کام کررہا ہو،جس طرح سے خلفائے راشدین کے دور میں کررہا تھا،اور عوام سے بیت المال کے ذرائع آمدن کے علاوہ دیگر کوئی ٹیکس بھی وصول نہ کئے جارہے ہوں،تو پھر جیسے ملک کے اداروں کو چلانے کے لئے مسلمانوں سے زکاۃ کی رقم لینا درست ہے،ویسے ہی غیر مسلموں سے جزیہ لینا بھی درست ہوگا،اور اس میں کوئی امتیازی کیفیت نہیں ہوگی،کیونکہ جہاں مسلمان زکاۃ دے رہے ہوں گے،وہیں غیر مسلم جزیہ دے رہے ہوں گے۔

4۔زکاۃ:

زکاۃ بیت المال کی آمدنی کا کلیدی اور بنیادی ذریعہ ہے۔بیت المال میں زکاۃ کی آمدنی کی اہمیت کا اندازہ اس بات سے ہوتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دور میں اور خلفائے راشدین کے ادوار میں زکاۃ کی وصولی کے لئے مستقل عامل مقرر تھے،جو گھر گھر جاکر زکاۃ وصول کیا کرتے تھے۔مخصوص قسم کے اموال پر مخصوص شرائط کے ساتھ مخصوص نصاب

(1)مجموعة من المولفين،الموسوعة الفقهية الكويتية(وزارة الأوقاف والشئون الإسلامية،الكويت 1404ھ)ج15ص153 مادة:جزية

(2)مودودی،سید ابوالاعلیٰ،رسائل ومسائل چہارم(اسلامک پبلیکیشنز2014)ص181

اور سال کے گزرنے کے ساتھ مال پر ایک خاص مقدار میں واجب ہونے والا حق زکاۃ کہلاتا ہے۔(1) پھر اس طرح کی زکاۃ کی دو قسمیں ہیں۔ایک قسم میں مال نامی جیسے سونا، چاندی، روپیہ اور تجارت وغیرہ کے سامان کی زکاۃ ہے، اور دوسری میں سائمہ جانوروں کی زکاۃ ہوتی ہے۔

جہاں تک مال نامی کی زکاۃ کا تعلق ہے، تو یہ سونا، چاندی، روپیہ پیسہ، کرنسی، اور مالِ تجارت میں ہوتی ہے۔ جس میں سونے کا نصاب ساڑھے سات تولہ، چاندی کا ساڑھے باون تولہ، روپیہ پیسہ، اور مالِ تجارت کا بھی ساڑھے باون تولہ چاندی کی مالیت کے برابر ہے۔ اگر مال مذکورہ نصاب کو پہنچ جائے، تو پھر دیگر شرائط کے ساتھ ایک سال گزرنے پر کل مال کی ڈھائی فیصد یعنی چالیسواں حصہ زکاۃ کے لئے نکالنا ضروری ہے۔(2)

دوسری قسم سائمہ جانوروں کی زکاۃ کی ہے، اور سائمہ جانور وہ جانور کہلاتے ہیں، جو سال کا اکثر حصہ باہر خود سے چرتے ہوں، اور انہیں خود سے چارہ اور گھاس وغیرہ نہ ڈالنا پڑتا ہو۔اس کیٹیگری میں اونٹ، گائے، اور بکری شامل ہیں، جن کا تفصیلی نصاب فقہائے کرام نے کتب میں ذکر کیا ہے۔(3)

5۔فیٔ:

مالِ فیٔ بیت المال کی آمدنی کا اہم ذریعہ تھا، جس سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم، ازواجِ مطہرات، یتیموں اور دیگر مستحقین کی ضروریات کو پورا کیا جاتا تھا۔فیٔ وہ مال کہلاتا ہے، جو غیر مسلموں سے بنا جنگ وقتال کے صلح کے طور یا بنا صلح کے حاصل ہوا ہو۔اس کی دو قسمیں ہیں، غیر منقولہ، جیسے وہ زمینیں جنہیں غیر مسلم مسلمان سپاہیوں کے خوف سے چھوڑ کر بھاگ گئے ہوں، اور منقولہ جیسے جزیہ، خراج اور عشور وغیرہ۔(4)

6۔مالِ غنیمت:

مالِ غنیمت اس مال کو کہا جاتا ہے، جو کفار سے جنگ کے نتیجے میں ان پر فتح پا کر حاصل ہوتا ہے۔مالِ غنیمت کے اگرچہ پانچ حصہ کئے جاتے ہیں، اور ان حصوں کو قرآن مجید کے بیان کردہ اسہام کے مطابق تقسیم کیا جاتا ہے، تاہم اسلامی

(1)ابن نجیم،زین الدین بن ابراهیم،البحرالرائق شرح کنز الدقائق(دارالکتاب الاسلامی)ج2ص216 کتاب الزکاۃ

(2)ابن نجیم،زین الدین بن ابراهیم،البحرالرائق شرح کنز الدقائق(دارالکتاب الاسلامی)ج2ص218 کتاب الزکاۃ

(3)قدوری، احمد بن محمد،مختصر القدوری(دارالکتب العلمیۃ 1418ھ)ص55 کتاب الزکاۃ

(4)سرخسی،محمد بن احمد،المبسوط(دارالمعرفۃ،بیروت 1414ھ)ج10ص18 کتاب السیر

ریاست میں مالِ غنیمت نہ صرف بیت المال کی آمدنی کا اہم ذریعہ تھا، بلکہ سپاہیوں، ان کی سواریوں اور دیگر جنگی اخراجات اور تیارویوں کے علاوہ ریاست میں بسنے والے یتیموں، مسکینوں اور مسافروں کی بھی کفالت کا اہم ذریعہ تھا۔(1)

دور حاضر میں مال غنیمت اور مال فئی کی ترتیب

مال غنیمت اور مال فئی کا دار و مدار اسلامی ریاست کے ساتھ ساتھ جنگ کے حالات پر منحصر ہے۔ عصر حاضر میں اگر کوئی مسلم ریاست غیر مسلم ریاست سے بر سر پیکار ہو جائے تو اسلامی فوج کے ہاتھوں لگنے والے مال پر مال غنیمت اور مال فئی کے احکامات لاگو ہوں گے، جس کے نتیجہ میں حاصل ہونے والا مال ریاست کی ملکیت ہو گا، اور اس مال کو قرآن مجید میں بیان کردہ خمس کی ترتیب سے ہی تقسیم کیا جائے گا، جس کی تفصیل آگے بیت المال کے مصارف میں مذکور ہے۔

7۔ریاستی زمینوں کا کرایہ:

کچھ زمینیں ریاست کی ملکیت میں ہوتی ہیں، اور بیت المال کا حصہ ہوتی ہیں، ان زمینوں کو حکومتِ وقت کسی کو ہدیہ کو نہیں کر سکتی، تاہم ان زمینوں کو کرائے پر دے سکتی ہے، جسے فقہائے کرام نے ''اقطاع الاجارہ'' سے تعبیر کیا ہے۔ان زمینوں سے آنے والا کرایہ بیت المال میں جمع کیا جائے گا، اور وہ مسلمانوں کی اجتماعی ملکیت ہو گا۔(2) یہ بھی بیت المال کی آمدنی کا اہم ذریعہ کے طور پر تصور کی جاتی ہے۔

چنانچہ جنگ کے بعد جو زمینیں غنیمت کے طور پر مسلمانوں کے پاس آجائیں، اور مسلمانوں کا امیر ان میں سے بعض زمینوں کو بیت المال کے لئے خاص کر لے، یا پھر سپاہیوں کو ملنے والی غنیمت کی زمینیں وہ خود ہی امیر کو دلی رضامندی سے دے دیں، تو پھر اس طرح کی زمینیں بیت المال کا حصہ ہوتی ہیں، اور ریاست کا امیر ان زمینوں کو مالکانہ حقوق کے ساتھ کسی کو بھی نہیں دے سکتا۔(3)

اس طرح کی زمینوں کی دوسری قسم ان زمینوں کی ہے، جن کا مالک فوت ہو جائے، اور ذوی الفروض اور عصبات میں سے اس کا کوئی وارث موجود نہ ہو تو اس طرح کی زمینیں بھی ریاست کی ملکیت میں آکر بیت المال میں شامل ہو جاتی ہیں۔امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک اس طرح کی زمینیں وارث کی طرف سے صدقہ سمجھی جائیں گی، اور ان کا مصرف صرف فقراء ہی ہوں گے، جبکہ امام شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک اس طرح کی زمینیں اس شخص کے زندہ ہونے کے وقت ملکیتِ خاص میں سے تھیں، لیکن اس کی وفات کے بعد وہ املاکِ عامہ میں سے ہو گئیں، لہذا ان زمینوں کو مفادِ

---

(1)موصلی،عبد الله بن محمود،الاختيار لتعليل المختار(مطبعة الحلبی،قاهرة 1356ھ)ج4ص124 كتاب السير

(2)شامی،ابن عابدين،الدر المختار وحاشية ابن عابدين(دارالفكر،بيروت 1412)ج3ص266

(3)ماوردی،ابو الحسن علی بن محمد،الاحكام السلطانية(دارالكتب العلمية 1405ھ)ص242

عامہ اور مصالحِ عامہ کے لئے ہی استعمال کیا جائے گا۔(1)میرے نزدیک امام شافعی رحمہ اللہ کا قول زیادہ مناسب معلوم ہوتا ہے، کیونکہ فقراءاور مساکین کی مدد بھی مصالحِ عامہ میں سے ہی ہے،اگران زمینوں کے مفاد کو عام رکھا جائے،تواس سے دورِ حاضر میں ایسی ضروریات بھی پوری ہوسکتی ہے،جس سے زیادہ تر متوسط طبقہ ہی فائدہ اٹھاتا ہے، جیسے روڈ، سڑکیں، میٹرو بس اور ٹرینیں وغیرہ۔

دورحاضر میں اس کی نوعیت:

جیساکہ درج بالا تفصیل سے معلوم ہوا کہ ریاست کی ملکیت میں دو طرح کی زمینیں آسکتی ہیں۔پہلی قسم کا تعلق تو مالِ غنیمت سے ہے،اور دورِ حاضر میں مالِ غنیمت سے ملنے والے اموال وزمینوں کا حکم بالا اوراق میں بیان ہو چکا۔دوسری قسم کی زمینوں کا تعلق ایسے شخص کی املاک ہیں، جس کا کوئی شرعی وارث موجود نہ ہو۔اس کے علاوہ کیا اسلامی ریاست ان دونوں زمینوں کے علاوہ کسی کی ذاتی ملکیتی زمین، یا بیابان زمینیں بھی اپنی ملکیت میں لے سکتی ہے؟توکسی کی ذاتی ملکیتی زمین کو ریاست جبرا تو وصول نہیں کرسکتی،تاہم کسی اجتماعی مفاد کی خاطر دفعِ ضرر اور ضرورت کے تحت اس کی زمین اس شخص سے خرید سکتی ہے، جیساکہ عموما پاکستان میں ہوتا ہے۔دوسری بیابان زمینیں بھی ریاست اپنی تحویل میں لے کر ان کو اقطاع الارض کے تحت بھی لاسکتی ہے،اور ان کو آگے فروخت بھی کرسکتی ہے، جیساکہ پاکستان کے دارالحکومت اسلام آباد میں اس طرح کی زمینیں اکثر سی ڈی اے کی ملکیت میں ہوتی ہیں،اور سی ڈی اے ان زمینوں کو لیز پر دیا کرتی ہے۔

8۔عشور(غیر مسلموں کا تجارتی ٹیکس):

عشر اور عشور ایسا ٹیکس ہے،جو بلادِ اسلام کے ایک شہر سے دوسرے شہر تجارت کے سامان کو منتقل کرنے پر ذمیوں اور غیر مسلموں پر لگایا جاتا ہے۔فقہائے کرام نے اس بات کی صراحت کی ہے،کہ اس قسم کے ٹیکس سے مسلمان مستثنیٰ ہیں،اور یہ صرف مسلم ریاست میں بسنے والے غیر مسلموں اور ذمیوں کے سامانِ تجارت کی منتقلی پر لگایا جاتا ہے۔(2) گوکہ فقہائے کرام کے مطابق عشور کی مشروعیت حدیث،اجماع اور عقل سے ثابت ہے،لیکن فقہائے کرام کے یہ سب دلائل اس سلسلے میں محلِ نظر ہیں۔جہاں تک حدیث کا تعلق ہے،تواس سلسلہ میں ایک روایت پیش کی جاتی ہے،جوکہ حرب بن عبداللہ کی سند سے ان الفاظ کے مروی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

---

(1)ماوردی،ابو الحسن علی بن محمد،الاحکام السلطانیۃ(دارالکتب العلمیۃ 1405ھ)ص243

(2)نفراوی،احمد بن غنیم،الفواکہ الدوانی علی رسالۃ ابی زید القیروانی(دارالکتب العلیمۃ 1418ھ)ج4ص72

''إنما العشور على اليهود والنصارى، وليس على المسلمين عشور''(1)

درحقیقت عشور یہود اور نصاریٰ پر ہے،اور مسلمانوں پر کوئی عشور نہیں۔

مذکورہ روایت کو بعض حضرات نے حرب بن عبداللہ اور دیگر اضطراب کی بنیاد پر ضعیف قرار دیا ہے۔(2) چنانچہ امام بخاری بھی حرب بن اللہ کے متعلق ''لا یتابع '' کے الفاظ استعمال کرتے ہیں۔(3) اور احکامِ وسطیٰ میں عبد الحق اشبیلی اس حدیث کو نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں:

''وهو حديث في إسناده اختلاف، ولا أعلمه من طريق يحتج به''(4)

اور یہ ایسی روایت ہے کہ جس کی اسناد میں اختلاف پایا جاتا ہے،اور میرے علم میں اس کا کوئی ایسا طریق نہیں کہ جو قابلِ احتجاج ہو۔

اس کے علاوہ ابن قطان بھی بیان الوھم میں حرب بن عبداللہ کے اَب اور جد اور اُم کی سند کو مجہول قرار دیتے اور اس دیگر علت کو بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ یہ روایت قابلِ التفات نہیں ہے۔(5)

عشور کے استدلال کی دوسری دلیل کے سلسلہ میں بعض فقہاء نے اجماع کا ذکر کیا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں آپ رضی اللہ عنہ نے عشور جمع کرنے والوں کو عشور یعنی ٹیکس کو جمع کرنے کے لئے بھیجا، جس پر دوسرے صحابہ کرام نے سکوت اختیار کیا، جو کہ اجماعِ سکوتی کی دلیل ہے۔(6) حالانکہ دیکھا جائے، تو خلیفۂ وقت کئی فیصلے انتظامی اور وقتی حالات کو دیکھتے ہوئے بھی کرتا ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے یہ فیصلہ بھی اسی انتظامی اور وقتی حالات کو دیکھتے ہوئے کیا ہوگا، کیونکہ اول تو یہ ان فیصلوں میں سے ایک فیصلہ ہے، جو کہ وقتی حالات کے مطابق ہو سکتا ہے، اس طرح کے فیصلوں پر ضروری نہیں کہ لازمی طور پر کوئی موجود ہو، جس کے مطابق آپ رضی اللہ عنہ نے یہ فیصلہ کیا تھا۔ دوسرا یہ کہ اس سلسلہ میں کوئی نص قطعی موجود ہے، اور نہ ہی واضح طور پر کوئی صحیح سند کے ساتھ روایت اس پر دال ہے۔

---

(1)سجستاني،سليمان بن اشعث،سنن ابی داوٗد(دارالرسالة العالمية 1430ھ)رقم الحديث 3046/شيباني،احمد بن حنبل،مسند احمد(موسسة الرسالة 1421ھ)رقم الحديث15896/ابن ابی شيبة،ابو بكر بن محمد،مصنف ابن ابی شيبة رقم الحديث 10677

(2)شعيب الأرنوٗوط،حاشية سنن ابی داوٗد(دار الرسالة العالمية 1430ھ) تحت رقم الحديث 3046

(3)بخاری،محمد بن اسماعيل،التاريخ الكبير(دائرة المعارف العثمانية،حيدراباد،دكن)ج3ص60

(4)اشبيلی،عبد الحق بن عبد الرحمن،الاحكام الوسطیٰ(مكتبة الرشد للنشر والتوزيع 1416ھ)ج3ص117

(5)قطان،علی بن محمد،بيان الوهموالايهامفيكتابالاحكام(دار طيبة الرياض1418ھ)ج3ص494

(6)شوكانی،محمد بن علی،نيل الأوطار(دارالحديث 1413ھ)ج8ص71

عشور کے استدلال کی تیسری دلیل عقلی طور پر دیتے ہوئے بعض حضرات نے یہ کہا ہے کہ تاجروں کو راستوں سے گزرنے کے لئے چوروں اور راہزنوں سے حفاظت کی ضرورت ہوتی ہے،اور دولتِ اسلامیہ یہ امن ان کو فراہم کرتی ہے، جس کے عوض میں ریاست غیر مسلموں سے عشور یعنی ٹیکس لے سکتی ہے۔(1)حالانکہ اگر اس دلیل کو دیکھا جائے،تو پھر اس طرح تو مسلمان اور غیر مسلم دونوں تجار ٹیکس دینے میں برابر ہونے چاہئیں، مسلمانوں کا استثناء اور غیر مسلموں پر ٹیکس جس روایت سے ثابت کیاجاتا ہے،اس کا حال تو گزر چکا۔لہذا عقلی و نقلی دونوں اعتبار سے صرف غیر مسلموں پر عشور لگانا قابلِ غور ہے،جیساکہ مذکورہ دلائل کے جوابات سے معلوم ہوا۔اسی وجہ سے امام شافعی رحمہ اللہ کا قول دلائل کے اعتبار سے زیادہ مضبوط ہے کہ غیر مسلموں سے جزیہ کے علاوہ کوئی اور ٹیکس نہیں لیاجائے گا۔(2)

دور حاضر میں عشور کا تصور

دورِ حاضر میں اگر بیت المال کا ادارہ موجود ہو،تو کیا اس قسم کا ٹیکس وصول کیا جائے گا یا نہیں؟تو دلائل کے اعتبار سے تو معلوم ہو چکا کہ اس طرح کے ٹیکس صرف غیر مسلموں پر نہیں لگائے جاسکتے،تاہم ہنگامی اور وقتی حالات اور ضروریات کو دیکھتے ہوئے حاکمِ وقت بغیر تفریق مذہب کے لوگوں پر اس طرح کے تجارتی وغیر تجارتی ٹیکس لگاسکتا ہے،جیساکہ آگے تفصیل سے آتا ہے۔

9۔وقف:

ایسی منقولہ وغیر منقولہ اشیاء وجائیداد جو انسان اپنی ملکیت سے نکال کر اللہ کے راستے میں دے دے،وقف کہلاتی ہیں،اور جو وقف شدہ اشیاء اسلامی ریاست کے پاس ہوں،وہ بیت المال کا حصہ ہوتی ہیں،اور ان کی آمدنی بھی بیت المال میں ہی جمع کی جاتی ہے۔(3)مثال کے طور پر بیت المال میں کوئی وقف شدہ زمین ہو،اور حاکمِ وقت اسے کسی کو اجارہ پر دے دے تو اس سے آنے والی آمدنی بھی بیت المال کا حصہ ہو گی۔

آج کے دور میں وقف کا تصور

دورِ حاضر میں محکمہ اوقاف کی پراپرٹی اور جائیداد سے جتنی بھی آمدنی ہوتی ہے،وہ سب بیت المال کا حصہ ہو گی،اور اس کو بیت المال کے شعبہ جات کے حسبِ مصارف لگایا جائے گا۔

---

(1)مقدسی،ابن قدامة،المغنی(مکتبة القاهرة)ج9ص348

(2)مقدسی،ابن قدامة،المغنی(مکتبة القاهرة)ج9ص347

(3)بخاری،محمد بن اسماعیل البخاری،صحیح البخاری(دار طوق النجاة 1422ھ)رقم الحدیث 2769

10۔فاضل اموال:

مذکورہ بالا اموال کے علاوہ باقی مال بھی بیت المال کا حصہ ہوتے ہیں۔ جیسے ریاستِ اسلامی میں کوئی شخص فوت ہوجائے،اور اس کا کوئی وارث ذوی الفروض اور عصبات میں سے موجود نہ ہو،تو اس کا ترکہ بیت المال میں شامل کیا جائے گا۔اسی طرح اسلامی ریاست میں کوئی ذمی یا دورِ حاضر میں غیر مسلم وفات پاجائے،اور اس کے بھی رشتہ دار موجود نہ ہوں ،تو اس کا ترکہ بھی بیت المال میں ہی جائے گا۔(1)فقہائے کرام نے اس زمرے میں ایک اور صورت کسی ذمی کے باغی ہونے اور کسی مسلمان کے مرتد ہوکر دارالحرب میں فرار ہونے کی بھی بیان کی ہے۔یعنی اسی طرح کوئی ذمی باغی ہوجائے، یا کوئی مسلمان مرتد ہوکر دارالحرب کی طرف راہِ فرار اختیار کرلے،تو ان کا مال بھی ضبط ہوکر بیت المال میں شامل کرلیا جائے گا۔(2)

عصر حاضر میں فاضل اموال کا تصور

مذکورہ دو صورتوں کو دیکھا جائے،تو دورِ حاضر میں سیاسی وریاستی نظام یکسر تبدیل ہوکر رہ گیا ہے۔اب ذمی کا تصور اسلامی ریاستوں میں بھی موجود نہیں ہے،اسی طرح دارالحرب اور دارالامن جیسی اصطلاحات آج کی غیر مسلم ریاستوں تک بھی صادق نہیں آتیں،لہٰذا مذکورہ دونوں صورتیں آج کے دور میں قابلِ عمل نہیں ہیں۔ہاں اگر کوئی حاکمِ وقت بغاوت یا فتنے اور شر وفساد کے پیشِ نظر کسی مسلمان،مرتد یا غیر مسلم کا مال ضبط کرلیتا ہے،تو وہ بیت المال میں شامل ہوکر سارے مسلمانوں کی اجتماعی ملکیت ہوگا۔(3)

اسی طرح لقطہ یعنی کسی کی کوئی چیز گرجائے،یا گم جائے،اور اس کا مالک نہ ملے،تو وہ بھی بیت المال میں شامل کی جاسکتی ہے۔یہ بھی دورِ حاضر میں بیت المال کا اہم ذریعہ بن سکتی ہے،کیونکہ ڈرائی پورٹ،ائیر پورٹ،اور بندگاہوں پر کافی سارے ایسے سامان موجود ہوتے ہیں،جن کے مالک موجود نہیں ہوتے یا مالکان نے کسی بھی وجہ سے وہ اموال وہاں چھوڑ

---

(1)ماوردی،ابو الحسن علی بن محمد،الاحکام السلطانیة(دارالکتب العلمیة 1405ھ)ص243

(2)کاسانی،ابوبکر،بدائع الصنائع فی ترتیب الشرائع(دارالکتب العلمیة،1406ھ)ج7ص578

(3)بعض حضرات کو یہاں یہ شبہ پیش آسکتا ہے،کہ یہاں تو تعزیر بالمال کیا جارہا ہے،جو کہ جائز نہیں ہے۔حالانکہ غور کیا جائے،تو یہ صورت من وجہ تعزیر کی بنتی ہے،اور من وجہ حد کی۔حد کو یہاں اس وجہ سے خارج کیا جارہا ہے،کہ اب ذمی دارالحرب کا تصور موجود نہیں رہا۔اور نص خاص ذمی ودارالحرب میں فرار ہونے والے کے لئے ہے۔لہذا اب ہمیں اس کو تعزیر کی طرف منتقل کرنا پڑے گا،اور تعزیر بالمال کی گنجائش مالکیہ کے نزدیک ملتی ہے۔لہذا اگر اس کو تعزیر بالمال بھی تصور کیا جائے،تو مالکیہ کے قول کے مطابق اس میں گنجائش ہے۔ابن فرحون،ابراهيمبنعلي،تبصرة الحكام في أصول الأقضية ومناهج الأحكام(مكتبة الكليات الأزهرية 1406ھ)ج2ص294الفصل العاشر فی الجنایات

دئے ہوتے ہیں، تو ایسے مال زیادہ تر وہاں کے افسر یا ملازم ہتھیا لیتے ہیں۔اس طرح کے قیمتی اموال اگر بیت المال یا ریاستی خزانہ میں جمع ہو جائیں، تو بیت المال کے ایک بڑا ذریعہ بن سکتے ہیں۔

بیت المال کے شعبہ جات اور ان کے مصارف:

بیت المال کے شعبہ جات کی تقسیم اس کے ذرائع آمدن اور ان کے مصارف کے اعتبار سے کی گئی ہے۔فقہائے کرام کی طرف سے یہ تقسیم اس لئے کی گئی ہے، تاکہ مصارف کو ان کے ذرائع آمدن کے اعتبار سے اور قرآن وحدیث کی تعلیمات کے لحاظ سے خرچ کیا جاسکے۔ذیل میں ان شعبہ جات اور ساتھ ساتھ ان کے مصارف کا ذکر کیا جاتا ہے۔

1۔بیتِ زکاۃ:

بیت المال کے شعبہ جات میں یہ پہلا شعبہ ہے، جس میں اموالِ ظاہرہ و باطنہ کی زکاۃ یا اس کی رقم اور زمینی عشر شامل ہیں۔بنیادی طور پر تو اس کے مصارف وہی آٹھ مصارف ہیں، جو قرآن مجید میں بیان کئے گئے ہیں، جن میں سے بعض مصارف تو بعض فقہاء کے نزدیک منسوخ ہو چکے ہیں، جیسے غیر مسلموں کو مانوس کرنے کے لئے زکاۃ دینا وغیرہ، جبکہ بعض دیگر فقہاء کے نزدیک یہ سب آٹھ مصارف اب تک باقی ہیں، اور زکاۃ وعشر ان مصارف میں ادا کی جاسکتی ہے۔(1) یہی قول دلائل کے اعتبار سے زیادہ مضبوط معلوم ہوتا ہے، کیونکہ غیر مسلموں کی تالیفِ قلب کی جیسے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دور میں ضرورت تھی، ویسے ہی دورِ حاضر میں بھی ضرورت ہے۔(2)

جہاں تک اموالِ باطنیہ (3) کی زکاۃ کے مصرف کا تعلق ہے، تو حنفیہ اور بعض دیگر فقہائے کرام کے نزدیک زکاۃ کی رقم کا قرآن مجید میں مذکور آٹھ مصارف کے علاوہ استعمال کرنا جائز نہیں۔اور ان آٹھ مصارف میں بھی حنفیہ اور بعض دیگر حضرات مستحق کی شخصی ملکیت کو ضروری قرار دیتے ہے۔اسی بنا پر ان کے نزدیک زکاۃ کی رقم کا مصالحِ عامہ، تعمیراتی

---

(1)ابن الھمام، کمالالدین، فتحالقدیر (دارالفکر) ج2ص259 کتاب الزکاۃ

(2)مقدسی، ابن قدامۃ، المغنی (مکتبۃ القاھرۃ) ج6ص427

(3)فقہائے کرام نے زکاۃ سے متعلق اموال کی دو قسمیں بیان کی ہیں: ایک اموالِ ظاہریہ کی اور دوسری اموالِ باطنیہ کی۔اموالِ ظاہریہ وہ اموال کہلاتے ہیں، جن کا وجود ظاہر اور سب کے سامنے موجود ہوتا ہے، جیسے فصل، باغ کھیتی اور جانور جیسے گائے، بیل، بھینس، اونٹ وغیرہ۔ان اموال کی زکاۃ اسلامی ریاست کی طرف سے عاملین ہی وصول کرتے ہیں، اور یہ بیت المال میں جمع کی جاتی ہے۔دوسری قسم یعنی اموالِ باطنیہ میں ان اموال کی ہے، جو دیگر لوگوں کی آنکھوں سے اوجھل ہوتے ہیں، اور عمومی طور پر انسان انہیں دوسروں سے چھپا کر محفوظ کرتا ہے، جیسے سونا، چاندی، روپیہ پیسہ وغیرہ۔ان اموال کی زکاۃ بنیادی طور پر انفرادی حیثیت سے نکالنے کا حکم ہے، پھر کوئی شخص چاہے تو بیت المال میں اس کی زکاۃ ادا کردے، یا چاہے تو خود ہی کسی مستحق وغیرہ کو دے دے۔

منصوبوں میں اور حتیٰ کہ مساجد وغیرہ میں بھی استعمال کرنا جائز نہیں۔(1) لیکن جہاں حنفیہ کے علاوہ دیگر جمہور فقہائے کرام آٹھ مصارف میں سے سبیل اللہ کے اندر جہاد کو داخل مانتے ہوئے جہاد اور اس کی تیاری کے اندر زکاۃ کی رقم کے استعمال کو جائز مانتے ہیں، وہیں قدیم اور جدید فقہاء میں سے بعض سبیل اللہ کے مفہوم میں توسیع کرتے ہوئے مصالحِ عامہ جیسے ریاست کے تعمیراتی کام اور دیگر تعمیراتی منصوبے، نیک وبر کے کام جیسے مساجد وغیرہ کی تعمیر کے علاوہ دیگر مسلمانوں اور عوام کی مصالح کی خاطر اجتماعی طور پر زکاۃ کی رقم کے استعمال کو جائز مانتے ہیں۔ چنانچہ ڈاکٹر یوسف قرضاوی "فقہ الزکاۃ" میں فرماتے ہیں:

"ومن العلماء – قديمًا وحديثًا – من توسع في معنى "سبيل الله" فلم يقصره على الجهاد وما يتعلق به، بل فسره بما يشمل سائر المصالح والقربات وأعمال الخير والبر، وفقًا للمدلول الأصلي للكلمة وضعًا"(2)

قدیم اور جدید علماء میں سے بعض ایسے بھی ہیں، جنہوں نے سبیل اللہ کے معنی میں وسعت دی ہے۔ انہوں نے سبیل اللہ کو جہاد اور سے متعلقات تک ہی باقی نہیں رکھا، بلکہ انہوں نے اس لفظ کو جس معنٰی کے لئے وضع کیا گیا ہے، اس کے مدلولِ اصلی کی موافقت کرتے ہوئے اس کی تفسیر میں سارے مصالحِ عامہ، نیکی کے ارادہ سے کئے جانے والے کام، اور اعمالِ خیر وبر کو بھی شامل مانا ہے۔

اس کے بعد ڈاکٹر یوسف قرضاوی نے متقدمین اور متاخرین میں سے ان حضرات کی عبارات بھی نقل کی ہیں، جو مذکورہ امور میں زکاۃ کے استعمال کے قائل ہیں، وہاں تفصیل سے ملاحظہ کئے جا سکتے ہیں۔(3)

رہا اموالِ ظاہریہ کا مسئلہ تو یہ اموال اصل میں حنفیہ وغیرہ کے نزدیک ریاست کو ہی ادا کرنے کا حکم ہے، اس لئے ان اموال کو بیت المال میں سے مسلمانوں کے مصالحِ عامہ اور دیگر ضروریات پر بھی لگایا جا سکتا ہے۔ جس کی تصریح علامہ ماوردی نے الاحکام السلطانیہ میں کی ہے۔(4)

---

(1)شامی،ابن عابدين،الدر المختار وحاشية ابن عابدين(دارالفكر،بيروت 1412)ج2ص349

(2)قرضاوی،یوسف،فقه الزكاة(موسسة الرسالة 1393ه)ج2ص102

(3)قرضاوی،یوسف،فقه الزكاة(موسسة الرسالة 1393ه)ج2ص102،103

(4)الماوردی،ابو الحسن علی بن محمد،الاحكام السلطانية (دارالحديث،القاهرة)ص316

2۔بیت اخماس:

بیت المال کا دوسرا شعبہ بیت الاخماس کا ہے۔اخماس خمس سے ہے،اور اس شعبہ میں مالِ غنیمت میں سے منقولہ وغیر منقولہ خمس رکھا جاتا ہے۔اسی طرح فقہائے کرام میں سے جو فقہاء (جیسے امام شافعی اور ایک روایت کے مطابق امام احمد)مالِ فئی میں خمس یعنی پانچ حصے کرنے کے قائل ہیں،تو ان کے نزدیک فئی بھی بیتِ اخماس میں رکھا جائے گا۔(1)

اس شعبہ کا مصرف یہ ہوگا کہ اس کے پانچ حصے کئے جائیں گے،ایک حصہ تو اللہ اور اس کے رسول کے لئے ہوگا۔آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد اس کا مصرف اکثر فقہائے کرام بیت المال میں ہی ہوگا،اور بیت المال سے اس حصے سے مسلمانوں کی عام مصالح وضروریات میں خرچ کیا جائے گا،یا پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے قرابت داروں یعنی بنو ہاشم اور یتیموں ومسکینوں اور مسافروں کی اس مال سے مدد کی جائے گی۔(2)بیتِ اخماس کے مصرف میں دوسرا حصہ بنو ہاشم کا ہوگا،اور تیسرا حصہ یتیموں کا،چوتھا مسکینوں کا اور پانچواں مسافروں اور ان کے سہولیات کے لئے ہوگا۔جیسا کہ قرآن مجید میں ان حصوں کا ذکر تفصیل کے ساتھ ہوا ہے۔(3)

جیسا کہ پیچھے مالِ غنیمت کی بحث میں بھی گزرا کہ دورِ حاضر میں بیت المال کا یہ ذریعہ باقی نہیں رہا،تو جب یہ آمدنی کا یہ ذریعہ ہی باقی نہیں رہا،تو بیت المال کا یہ شعبہ بھی کارگر نہیں ہوگا،اور اس شعبہ کے مصارف میں جو ضروریات اس شعبہ سے پوری کی جاتی تھیں،وہ بیت المال کے کسی اور شعبہ سے پوری کی جانی چاہییں،جیسا کہ دورِ حاضر میں کئی حضرات بنو ہاشم کو اسی بناء پر زکاۃ دینے کے قائل ہیں کہ بنو ہاشم کو مالِ غنیمت میں سے خمس دیا جاتا تھا،اب وہ ذریعہ باقی نہیں رہا،لہذا بنو ہاشم میں سے مستحقین کو زکاۃ ادا کرنی کی گنجائش ہونی چاہیے۔(4) جس سے معلوم ہوا کہ بیتِ زکاۃ سے بھی بیتِ فئی کے مذکورہ مصارف میں رقم استعمال کرنی کی گنجائش ہے۔

---

(1)قرطبی،ابن رشد،بداية المجتهدونهايةالمقتصد(دار الحديث القاهرة 1425ھ)ج2ص165 كتاب الجهاد

(2)ماوردی،ابو الحسن علی بن محمد،الاحكام السلطانية (دارالحديث،القاهرة)ص218

(3)الماوردی،ابو الحسن علی بن محمد،الاحكام السلطانية (دارالحديث،القاهرة)ص218

(4)بنو ہاشم کو زکاۃ دینے کے جواز کے سلسلہ میں ابن تیمیہ،ابن مفلح حنبلی،محمد عرفہ دسوقی،شیخ دردیر مالکی وغیرہ کے علاوہ دورِ حاضر کے بھی کئی نام سرفہرست ہیں،جن میں انور شاہ کشمیری،مجاہد الاسلام قاسمی،شیخ صالح العثیمین،اور یوسف قرضاوی وغیرہ شامل ہیں۔یہاں تفصیل کا موقع نہیں ہے،اس لئے صرف ان کے ناموں کے ذکر پر اکتفاء کیا گیا ہے۔قرضاوی،یوسف،فقهالزكاة(موسسة الرسالة،بيروت)ج۲ص732 كتاب الزكاة

3۔بیتِ ضوائع:

بیت المال کا تیسرا شعبہ بیت ضوائع کا ہے۔ضوائع ضائعہ کی جمع ہے۔اس مراد ایسے گمشدہ اشیاء ہیں، جن کے مالک معلوم نہ ہو۔ان میں لقطہ یا کسی کی گمشدہ چیز آتی ہے۔اسی طرح ایسی مسروقہ چیز جس کا مالک معلوم نہ ہو وہ بھی اسی شعبہ میں آتی ہے۔اس شعبہ کا مصرف ایسے مستحق و فقیر لوگ ہیں، جن کا کوئی والی نہ ہو۔اس سے ان کی ضروریات پوری کی جائیں گی،اور ان کی مالی جنایات بھی ادا کی جائیں گی۔(1)

دورِ حاضر میں بیت المال کے اندر اس شعبہ کو کارگر بنایا جاسکتا ہے،جیسا کہ پہلے بھی گزرا کہ بیرونی ممالک سے آنے والے اموال میں بسا اوقات لاکھوں اور کروڑوں کا مال کسی بھی وجہ سے بندرگاہوں یا ڈرائی پورٹ وغیرہ پر پڑا رہتا ہے، جن کے مالک کا بھی علم نہیں ہوتا۔یہ سارا مال بیت المال میں جمع ہو سکتا ہے، جس سے پاکستان میں بسنے والے لاکھوں مستحق لوگوں کو سبسڈی دی جاسکتی ہے،اور ان کی مدد کی جاسکتی ہے۔

4۔بیتِ فئی:

بیت المال کے اس شعبہ میں فئی اور اس کی مختلف اقسام،اخماس میں اللہ اور اس کے رسول کا حصہ، خراجی زمینوں کا خراج،دفینوں کا خمس کہ جن کے مالک کا علم نہ ہو،مسلمانوں میں سے ایسے شخص کا مال یا دیت جو فوت ہو گیا ہو،اور اس کے وارث موجود نہ ہوں،عوام سے حاصل ہونے والے دیگر حادثاتی ٹیکسز اور گورنرز و دیگر سرکاری عہدیداروں کو ملنے والے ہدایا و تحائف اس شعبہ میں جمع کئے جائیں گے۔(2)

دورِ حاضر میں دیکھا جائے ،تو اس شعبہ میں ہونے والے اکثر ذرائع آمدن جیسے فئی، خمس وغیرہ تقریبا مفقود ہو چکے ہیں،ہاں اس شعبہ میں وہ حادثاتی ٹیکس شامل ہیں، جو عوام پر بیت المال سے ضرورت پوری نہ ہونے پر وقتی طور پر لگائے جاسکتے ہیں۔جس کے بارے میں آگے تفصیل سے آتا ہے۔اس کے علاوہ اس شعبہ میں سرکاری ملازمین کو اندرونی وبیرونی دوروں کے جانے پر ملنے والے ہدایا و تحائف بھی جمع کئے جاسکتے ہیں۔جو کہ آج بھی قابلِ عمل صورت ہے۔

فقہائے کرام جب بھی اپنی کتب میں اس بات کا تذکرہ کریں کہ چیز یہ بیت المال کا حصہ ہو گی،تو اس سے عمومی طور پر ان کی مراد اسی شعبہ کی ہوتی ہے۔اس شعبہ میں موجود جمع پونجی کو ویسے تو ریاست کا امیر وصدر اپنی صوابدید کی بناپر مسلمانوں کے مصالحِ عامہ میں سے کہیں بھی لگا سکتا ہے،اور یہ مصالح وقت اور جگہ اور حالات کے اعتبار سے مختلف ہو سکتے ہیں،تاہم امیرِ ریاست کو درج ذیل اہم ترین مصالح کا بھی خیال رکھنا ضروری ہے۔

---

(1)مجموعة من المولفين،الموسوعة الفقهية الكويتية(وزارة الأوقاف والشئون الإسلامية،الكويت 1404ھ)ج8ص253 مادة:بيت المال

(2)مجموعة من المولفين،الموسوعة الفقهية الكويتية(وزارة الأوقاف والشئون الإسلامية،الكويت 1404ھ)ج8ص253 مادة:بيت المال

بعض فقہاء کے نزدیک کسی بھی شہری کو چاہے وہ امیر ہو یا غریب ہو،اس کی کسی بھی ضرورت کی بناپر اس کو اس شعبہ سے مال دیا جاسکتا ہے،تاہم شافعیہ کے نزدیک اموالِ فئی صرف اہل جہاد کے لئے خاص ہوں گے،ان کے علاوہ کسی دوسرے شخص کو اس شعبہ میں سے مال نہیں دیا جاسکتا۔(1)دورِ حاضر میں جمہور کا قول زیادہ قابلِ عمل معلوم ہوتا ہے،کیونکہ نہ تو اب جہاد کے حالات ہیں،اور نہ ہی اہل جہاد۔ہاں ملک وریاست کی سرحدوں کی حفاظت کرنے والے سپاہی اور آرمی کا پورا ادارہ اس کے ذیل میں آسکتا ہے،کیونکہ اس ادارہ کا بھی ایک بڑا مدافعاتی بجٹ سالانہ اعتبار سے الگ کیا جاتا ہے۔

اس شعبہ کا دوسرا مصرف ریاست کی سرحدوں کی حفاظت ،اور اس کے لئے درکار اسلحہ ودیگر انتظامات ہیں۔تیسرا سرکاری عہدوں پر فائز ملازمین جیسے جج،صدر،وزیر اعظم،ودیگر ملازمین کی تنخواہیں بھی اسی شعبہ سے نکالی جائیں گی۔چوتھا اس شعبہ میں سے ریاست میں بسنے والے ایسے غریب و مستحق افراد جو کسمپرسی کی زندگی بنا کپڑوں اور کھانے کے جی رہے ہوں،ان کے لئے بھی کھانے،کپڑوں،اور تجہیزِ میت کا بندوبست کیا جائے گا۔(2)اس شعبہ کا پانچواں مصرف غیر مسلم ریاستوں میں قیدی مسلمانوں کو چھڑانا ہے۔جتنے بھی غیر مسلم علاقوں وریاستوں میں مسلمان قید میں پھنسے ہوئے ہیں،اگر تو وہ بغیر کسی جرم کے کسی سازش کے تحت قید ہیں،تب بیت المال کے اس شعبے سے ان کو وہاں سے رہا کروانے کے لئے اخراجات کئے جاسکتے ہیں،ورنہ اگر بیرون ممالک میں اپنے کسی جرم کی وجہ سے وہاں قید ہیں،تب تو ان کے لئے اس شعبہ سے مال خرچ کرنا درست معلوم نہیں ہوتا۔

اس شعبہ کا چھٹا مصرف ریاست کے عام شہری مصالح وتعمیراتی کام جیسے مساجد،راستے،پُل،سڑکیں وغیرہ بنوانا ہے۔جیسے دورِ حاضر میں پاکستان ہیں عوام کے مصالح کی خاطر موٹروے،ہائے وے،سڑکیں،میٹرو بس،اور مساجد وغیرہ کی تعمیر شامل ہیں۔اگرچہ مساجد کی تعمیر حکومت کی طرف سے نہیں کی جاتی،لیکنیہ ذمہ داری بھی بیت المال کے اسی شعبہ سے تعلق رکھتی ہے۔ساتواں مصرف یہ ہے کہ اگر کسی سرکاری ادارہ میں کام کرنے والے کسی ملازم سے غلطی سے کسی کا جانی یا مالی نقصان ہوگیا،تو وہ مالی یا جانی نقصان جیسے دیت،یا جرمانہ وغیرہ اسی شعبہ سے ادا کیا جائے گا۔(3)اگر جان بوجھ کر اس ملازم نے اس طرح کی حرکت کی ہو،تو اس کا جرمانہ اس کو خود ہی ادا کرنا ہوگا۔

اس ضمن میں آخری بحث اسلامی ریاست میں ذمیوں یا آج کے دور میں غیر مسلموں کی بیت المال سے مدد کرنا ہے۔آیا اسلامی ریاست میں غیر مسلموں کا بیت المال سے تعاون کیا جاسکتا ہے یا نہیں؟تو اس سلسلہ میں متاخرین یعنی بعد

---

(1)قرطبی،ابن رشد،بداية المجتهدونهايةالمقتصد(دار الحديث القاهرة 1425ھ)ج2ص166 كتاب الجهاد

(2)شامی،ابن عابدين،الدر المختار وحاشية ابن عابدين(دارالفكر،بيروت 1412)ج3ص280

(3)مجموعة من المولفين،الموسوعة الفقهية الكويتية(وزارة الأوقاف والشئون الإسلامية،الكويت 1404ھ)ج8ص253 مادة:بيت المال

کے فقہائے کرام نے تو صراحت کی ہے کہ بیت المال کے اندر غیر مسلموں اور ذمیوں کا کوئی حق نہیں ہے،الا کہ ان کی اضطراری حالت پیش آجائے،تو پھر صرف بھوک مٹانے کی حد تک ان کے لئے بیت المال سے کھانے کا تعاون کیا جاسکتا ہے۔(1)میرے نزدیک متاخرین یعنی بعد کے فقہاء نے جو یہ بات سرسری انداز میں غیر مسلموں کے متعلق لکھی ہے،دورِ خلافت کو سامنے رکھا جائے،تو یہ بالکل بھی مناسب معلوم نہیں ہوتی۔دورِ خلافت پر اگر ایک نظر دوڑائی جائے،تو اس میں ذمیوں یعنی غیر مسلموں کے ساتھ اس طرح کا سلوک نہیں رکھا جاتا تھا کہ صرف ان کو بھوک کے بقدر روٹی فراہم کردی جائے،بلکہ ضرورت مند ذمیوں سے نہ صرف جزیہ معاف تھا،بلکہ ان کی اور ان کے اہل وعیال کی بھی بیت المال سے باقاعدہ کفالت کی جاتی تھی۔اس کی کئی مثالیں امام ابویوسف نے کتاب الخراج میں ذکر کی ہیں۔(2)

نتائج:

1. اسلامی ریاست اپنا پورا مالیاتی نظام پیش کرتی ہے،جس میں بیت المال اس نظام کی بنیادی اکائی ہے۔
2. بیت المال کے تقریبا دس ذرائع آمدن ہیں،جن میں عشر،خراج،جزیہ،زکاۃ،فئی،مالِ غنیمت،ریاستی زمینوں کا کرایہ،عشور یعنی غیر مسلموں کا تجارتی ٹیکس،وقف املاک اور فاضل اموال شامل ہیں۔
3. بیت المال کے معاصر تصور میں بیت المال کے کچھ ذرائع تو دورِ حاضر کے ریاستی نظام میں قابلِ عمل ہیں،جیسے عشر،خراج،زکاۃ،ریاستی زمینوں کا کرایہ وقف املاک اور فاضل اموال،اور بعض خاص حالات میں جیسے غنیمت اور فئی جبکہ دیگر بعض ذرائع انتظامی وجوہات کی بناپر جیسے جزیہ قابلِ عمل نہیں رہے،اور بعض دلائل کی بنیاد پر کمزور ہیں،جیسے غیر مسلموں سے لیا جانے والا تجارتی ٹیکس۔
4. بیت المال کے ذرائع آمدن کے علاوہ اس کے چار ذیلی شعبہ جات ہیں،جن میں ریاست کا مال اس کے مصارف کے اعتبار سے الگ الگ رکھا جاتا ہے۔ان میں بیت الزکاۃ،بیت اخماس،بیتِ ضوائع،بیتِ فئی ہے۔ان میں سے بیتِ اخماس کا قیام حالتِ جنگ کے ساتھ ہے،جبکہ بیت الزکاۃ،بیت ضوائع اور بیتِ فئی کے معاصر بیت المال کے تصور میں قیام اور اس کی موجودہ دور میں تطبیق ممکن ہے۔
5. ریاست زکاۃ کی رقم سے بھی اپنے شہریوں کی ضروریات پوری کرسکتی ہے۔

---

(1)شامی،ابن عابدین،الدر المختار وحاشیة ابن عابدین(دارالفکر،بیروت 1412)ج2ص220،کتاب الجهاد

(2)ابویوسف،القاضی،یعقوب بن ابراهیم،الخراج(المکتبة الازهریة للتراث)ص158

6. ریاست کی طرف سے شہریوں پر لگایا جانے والا ٹیکس اسلام میں جائز نہیں،ہاں اگر دیگر ذرائع سے ریاست کی ضروریات پوری نہ ہورہی ہوں،تو ریاست بقدرِ ضرورت مالدار شہریوں پر ٹیکس لگاسکتی ہے۔

سفارشات:

1. اسلامی بیت المال کے معاصر تصور کو ممکنہ صورتوں کے ساتھ اپنایا جائے۔
2. بیت المال کے معاصر تصور میں اور اس کے ممکنہ ذرائع آمدن کا قیام عمل میں لایا جائے،تاکہ ریاست کے غریب شہری ٹیکس کی چکی میں نہ پس سکیں۔
3. بیت المال کے معاصر تصور کو سامنے رکھتے ہوئے بیت المال کے ذرائع آمدن کے ساتھ اس کے مصارفی شعبہ جات کا قیام بھی عمل میں لایا جائے،تاکہ آمدن کے ساتھ اس کے خرچ کے مصارف شرعی تعلیمات کے مطابق قابلِ عمل ہو سکیں۔
4. زکاۃ کی رقم کو بھی شہریوں کی ضروریات پر لگایا جائے۔
5. اگر بیت المال کے ذرائع آمدن خرچ کے لئے کافی نہ ہوں،تو مالدار شہریوں پر بقدرِ ضرورت ٹیکس لگایا جائے،اور غرباء کو اس سے مستثنیٰ کیا جائے۔

* * * * * * * *